''ہمارے پاس وارث غازی کے لیپ ٹاپ کی فائلز بھی ہیں اور ایک میموری کارڈ اور بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا فرنٹ مین کرنل خاور ایک اعلیٰ فوجی افسر اور اس کے خاندان کی ہلاکت میں ملوث تھا۔ جانتے ہو یہ کتنے سنگین جرائم ہیں؟''

مگر ہاشم پیشانی پکڑے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''اس نے مجھے ٹریپ کیا ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ لائٹ بند کرو۔ میں کچھ نہیں بولوں گا....'' وہ آخر میں چلایا تھا۔ سارے جسم پہ پسینہ آ رہا تھا اور دماغ درد سے پھٹنے کو تھا.....

❖❖❖

جو غائب بھی ہے حاضر بھی ..... جو ناظر بھی ہے منظر بھی

وہ بنگلہ چھوٹا سا' خوبصورت سا تھا اور اسکے لان میں ایک اونچا سا باٹل پام کا درخت لگا تھا۔ فارس نے کار روکی' مسکراتے ہوئے میرون مفلر اتارا' اور تہہ کر کے ڈیش بورڈ کے اندر رکھ دیا۔ یہ اس نے وارث کے اس سوئیٹر سے کاٹ کر بنایا تھا جو جیل میں امل اور سارہ اسکے لئے لائی تھیں۔ اس کا اون اسے وارث کی یاد دلاتا تھا۔ اور اتنے مہینوں سے ہاشم کے خلاف شطرنج کی ایک ایک چال چلتے ہوئے' یہ پہن کر اسے لگتا تھا' وہ اس قرض کو اتار رہا ہے جو وارث اس کے اوپر چھوڑ گیا تھا۔ آج سارے قرض اتر گئے تھے۔ سارے حساب پورے ہو گئے تھے۔

گھر کے اندر جا بجا پیک شدہ کارٹن رکھے تھے۔ ندرت اور حنہ سارا دن کام کرواتی رہی تھیں۔ اور اب کھانا کھایا جانا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل تک آیا تو زمر کھانا لگا چکی تھی اور سب نشستیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

''اتنی دیر لگا دی۔'' زمر نے آنکھوں میں خفگی لئے گھورا۔

''نوکری کی تلاش میں نکلا تھا' دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔'' وہ خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ندرت نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''اتنا مسکرا کیوں رہے ہو؟'' (فارس نے فوراً منہ سیدھا کیا۔)

''نہیں تو۔'' اور سنجیدہ شکل بنائے پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔ زمر نے ایک گہری نظر ڈالی' پھر میز کو دیکھنے لگی۔ سب کھانا شروع کر چکے تھے۔ اسے خیال آیا کہ پانی نہیں رکھا۔

''میں پانی لاتی ہوں۔'' وہ اٹھی اور پانی لا کر رکھا۔ پھر دیکھا ٹشو ندارد۔ دوبارہ گئی اور ٹشو کا ڈبہ لا کر میز پہ سجایا۔ پھر کسی اور خیال سے اٹھی۔

''بیٹھ جاؤ زمر!'' ندرت نے ٹوکا تھا۔ ''گھر کی مالکن کا کام کھانے کے دوران میز سے بار بار اٹھنا نہیں ہوتا۔ اس کا کام ہے کھانا بنانا' اور کھانا لگانا۔ چاہے مہمان ہوں' گھر والے یا سسرال والے' اگر تم کھانے کے دوران بار بار اٹھ کر تازہ پھلکے لا کر دو گی یا ان کے نخرے اٹھاؤ گی تو تمہاری تو آہستہ آہستہ ڈائننگ ٹیبل سے جگہ ہی ختم ہو جائے گی۔ ان کو تمہارے بغیر کھانے کی اور تمہیں اٹھانے کی عادت پڑ جائے گی۔ عادتیں عورتیں خود بگاڑتی ہیں اور پھر جب سسرال والے سر پہ چڑھ کر ناچنے لگتے ہیں تو شکایت کرتی ہیں۔ نئے گھر' نئی زندگی میں سیٹل ہونے کے بعد لڑکیوں کو بہت اچھا بننے اور جی حضور کر کے بڑھ چڑھ کر خدمت کرنے کی بجائے صرف اتنا کام کرنا چاہیے جتنا وہ اپنے گھر میں کرتی تھیں' کیونکہ وہ اتنی ہی ذمہ داری آگے بھی نبھا سکتی ہیں۔ ذمہ داری اتنی لو جتنی نبھا سکتی ہو۔'' زمر آہستہ سے واپس بیٹھ گئی۔

''بس کر دیں امی۔ آپ پہ یہ مخلصانہ مشورے سوٹ نہیں کر رہے۔'' حنین نے بے زاری سے لقمہ دیا۔ اور ندرت نے صرف گھورا۔ (پرایا گھر دیکھ کر جوتے تک ہاتھ لے جانے سے خود کو روکے رکھا۔)

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ سارے دورانیے میں فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگتی رہی۔ ساری اداکاری ایک طرف' وہ اس مسکراہٹ کو نہیں چھپا پا رہا تھا۔

کھانے کے بعد سیم ٹی وی لاؤنج میں زمر فارس کا ٹی وی دیکھنے چلا گیا۔(بڑے دن سے گھر سے وہ شیطان کا ڈبہ غائب تھا' تو یہاں ٹی وی دیکھنے میں مزا آ رہا تھا۔) ابا کو بھی ساتھ لے گیا۔ ندرت نماز پڑھنے کمرے میں چلی گئیں۔ اور وہ چاروں میز پہ بیٹھے رہ گئے۔ سوئیٹ ڈش کھائی جا چکی تھی اور وہ یونہی بیٹھے تھے۔

''آج میں نوشیرواں سے ملا۔'' سعدی نے خالی کپ میں چمچ ہلاتے سر اٹھا کر کہا۔ ساتھ بیٹھی حنین نے جہاں چونک کے دیکھا' وہیں سامنے بیٹھے زمر اور فارس بھی حیران ہوئے۔

''فکر نہ کریں۔ وہ بس معافی مانگ رہا تھا۔ وہ امریکہ جا رہا تھا۔ جاب مل گئی ہے اسے ادھر۔''

''تم نے کیا کہا۔''

''میں اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ سوری۔ مگر میں خود کو مجبور نہیں کر سکتا۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے' وارثوں کو خون معاف کرنے کے لئے مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ یہ تو پھر میرا اپنا خون تھا۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔ سب خاموش ہو گئے۔

''اگر عدالت اس کو سزا دے دیتی' تب تم معاف کر دیتے اسے؟'' زمر نے نرمی سے پوچھا۔ سب غور سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

''جی۔ میں تیار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ عدالت میرے حق میں فیصلہ دے گی۔ لیکن شاید ہمارا کیس کمزور تھا۔'' پھر شکوہ کناں نظروں سے زمر کو دیکھا۔ ''میں آپ کو کہتا رہا کہ کیس ہاشم کے خلاف ہونا چاہیے۔ مگر آپ لوگوں نے میری بات نہیں مانی۔''

''میں نے تو صرف مشورہ دیا تھا۔'' فارس نے کان کھجاتے ہوئے کندھے اچکائے۔

''اگر ہمارے پاس وہ فائلز ہوتیں' حنہ کا میموری کارڈ ہوتا' یا ہاشم کو میرا پاسپورٹ نہ ملتا تو ہمارا کیس کمزور نہ ہوتا۔'' وہ افسوس کر رہا تھا۔ حنین اور فارس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور زمر نے باری باری ان دونوں کو' پھر سعدی کو مخاطب کر کے بولی۔

''ویسے سعدی.... غلطی تمہاری ہے۔ پاکستان آ رہے تھے تو کسی کو اپنی فلائیٹ کا علم نہ ہونے دیتے۔ اس کو معلوم تھا تمہاری فلائیٹ کا' اسی لئے تو اس نے تمہارا پاسپورٹ چرا لیا۔''

''کسی کو بھی میری فلائیٹ کا علم نہیں تھا زمر۔'' وہ تنک کر بولا۔ ''کسی کو نہیں معلوم تھا کہ میں آ رہا ہوں' سوائے....'' اور وہ بولتے بولتے رک گیا۔ چونک کے فارس کو دیکھا۔ ''آپ کو معلوم تھا۔ صرف آپ کو۔'' حنین نے گڑبڑا کے' اور زمر نے بڑے مزے سے مسکرا کے اسے دیکھا۔ فارس شدید غیر آرام دہ ہوا۔ کرسی پہ پہلو بدلا۔

''ہاں تو؟''

''اور سعدی.... شاید فارس نے ہی تمہیں کہا تھا کہ تم افغانستان کے راستے آؤ۔ ہے نا؟'' زمر محظوظ انداز میں مسکراہٹ دبائے بولی تھی۔ فارس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ (یہ جانتی تھی؟) مگر سعدی سن بیٹھا تھا۔

''اور وہ فائلز.... اور میموری کارڈ.... وہ تو کسی چھوٹے' موٹے' سرخ مفلر والے آدمی نے چرائے تھے' حنہ وہ سب کیا تھا؟'' وہ اس کی طرف گھوما۔

حنین تیزی سے کھڑی ہوئی۔ ''میری نماز کا وقت ہو رہا ہے۔'' سعدی نے ہاتھ سے کھینچ کر اسے واپس بٹھایا۔ وہ شرمندگی سے آنکھیں میچ کر بیٹھی۔ ''میرے پاس آرٹیکل تیرہ کے تحت خاموش رہنے کا حق ہے۔''

''تم نہ بتاؤ' حنین' میں بتاتی ہوں۔'' زمر یوسف تھوڑی تلے ہتھیلی رکھے' دلچسپی سے مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔ ''جب گواہ جھوٹ بولتے ہیں... عدالت اور پولیس کے سامنے.... انہیں کسی شخص کو بچانا ہوتا ہے.... تو اس کا حلیہ الٹ بتاتے ہیں کہ جی موقع سے فرار ہونے والا ملزم چھوٹا' موٹا تھا جبکہ وہ....'' دائیں طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''کافی اسمارٹ اور قد آور سا تھا۔''

''بہت شکریہ۔'' وہ جل کر بڑبڑایا۔(چڑیل نہ ہوتو۔)

''آپ نے چرائے تھے وہ سب حنین کے کمرے سے؟'' سعدی دنگ رہ گیا تھا۔

''کسی نے کچھ نہیں چرایا سعدی ڈیئر۔ میرے شوہر اور تمہاری بہن نے ہم سے جھوٹ بولا۔ فارس نے گھر سے جاتے وقت حنین سے وہ چیزیں لیں' اور اس کو کہا کہ کہے وہ کھو گئی ہیں۔ حنین اوپر گئی' کھڑکی کھولی' اور چیخ ماری۔ ہم لوگ اوپر گئے تو اس نے ہمیں لمبی سی کہانی سنا دی جو مجھے اسی وقت سمجھ آ گئی تھی کیونکہ ایک ننھا سا میموری کارڈ اگر مبینہ چور نے پکڑ بھی رکھا ہو' تو وہ اتنی دور سے حنہ کو کیسے نظر آ سکتا ہے؟ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وارث غازی کی فائلز بھی حنین کھول چکی تھی' لیکن ہمیں اس نے کہا کہ اس میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اصل فائلز کہیں اور منتقل کر دیں۔''

''میں نے سچ کہا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''ماموں نے مجھ سے پہلے وہ ادھر سے ڈیلیٹ کر کے اپنے پاس منتقل کر لی تھیں۔ اور باقی ساری باتوں پہ آرٹیکل تیرہ کے تحت مجھے خاموش رہنے کا حق ہے۔''

''واؤ!'' سعدی نے غصے سے فارس کو دیکھا جو گردن موڑ کے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ برے برے منہ بھی بنا رہا تھا۔ ''آپ میرا کیس کمزور کرتے رہے۔'' فارس نے تنک کے اسے دیکھا۔

''ان سب کے باوجود بھی کیس ثابت نہ ہو پاتا سعدی۔ میں نے صرف ان چیزوں کا اچھا مصرف ڈھونڈا۔ ان ثبوتوں کو عدالت میں داغدار کرنے کی بجائے کیس کو نوشیرواں تک محدود رکھا تاکہ ہاشم خاموشی کا حق استعمال نہ کرے' اور بولتا رہے۔ وہ جیتنا چاہتا تھا، ہر قیمت پہ۔ میں نے اسے جیتنے دیا۔''

''آپ نے اسے کہا کہ وہ مجھے دہشت گرد ثابت کرے!'' اس نے میز پہ زور سے ہاتھ مارا۔

''حالانکہ اصل دہشت گرد کوئی اور ہے۔'' (خفگی سے زمر کو گھورا جس نے مسکرا کے شانے اچکا دیے) پھر بات جاری رکھی۔ ''تم کچھ بھی ثابت نہ ہو پاتے مگر وہ جینوئن انفارمیشن استعمال کر کے خود کو پھنسا لیتا۔ میں نے صرف ایک ایجنسی سے ڈیل کی کہ وہ آ کر خود دیکھ لیں ہاشم کیا کہتا ہے اور....''

''وہ چشمے والا آدمی.... وہ ایجنسی کا تھا' مگر آپ تو اس کو جانتے تک نہیں تھے۔'' سعدی نے طنزیہ کہا تھا۔ فارس نے بے بسی سے ایک انگلی سے تھوڑی کھجائی۔

''مجھے کیا معلوم تھا وہ کس کو بھیجتے ہیں۔ شروع میں تو میں نہیں پہچانتا تھا اسے' مگر اس کے فنگر پرنٹ سے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کون ہے۔''

''مگر ہمارے سامنے آپ اداکاری کرتے رہے کہ آپ اس کو نہیں جانتے۔''

''نوازش!''

''اور جب احمر کو شک ہوا کہ کوئی قریب کا بندہ انوالوڈ ہے تو آپ نے میرا شک حسینہ پہ ڈلوانا چاہا۔''

''بے چاری حسینہ!'' زمر نے چچ کی آواز نکالی۔

''تو کیا اپنے اوپر ڈلواتا؟ پھر تم لوگ' قانون کی سربلندی کی چلتی پھرتی مثالیں مجھے کہاں کچھ کرنے دیتے؟'' وہ خفا خفا لگ رہا تھا۔

''اور کون کون انوالوڈ تھا آپ کے ساتھ؟'' سعدی زیادہ خفا تھا۔ فارس اب کوئی فرار نہیں اختیار کر سکتا تھا۔

''ہاشم کی ملازمہ فیونا... وہ چھوٹے موٹے کام کر دیتی تھی۔ میرا جیل کا دوست جلال الدین۔ اس کی مدد سے میں ہاشم کو کچھ کوڈز بھیجتا تھا جن کو وہ نئے کاروباری مواقع کی لالچ میں ٹویٹ کر دیتا تھا۔''

''تھا؟'' سعدی نے ابرو اٹھائی۔ پہلی دفعہ فارس کھل کر مسکرایا۔

''ہاں.... تھا۔ کیونکہ آج اسے ایجنسی والے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اور وہ اب دوبارہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکے گا۔''

''مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔'' زمر محظوظ ہوئی تھی۔ ''تم اتنے مسکرا جو رہے تھے۔ نوکری ڈھونڈنے کے بہانے۔''

''محترمہ آپ نے غور نہیں کیا شاید۔ میں نے ڈیل کی تھی۔ میں ان کو ایک دہشت گردی کا سہولت کار دوں گا' اور وہ جواب میں میری ایجنسی میں میری نوکری واپس بحال کروائیں گے۔'' زمر کے چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ امڈ آئی۔

''مطلب اب تم بے روزگار نہیں رہے۔''

''جی ہاں، اب میں بے روزگار نہیں رہا۔'' وہ طنزیہ مسکرا کے بولا۔ سعدی نے اسی خفگی سے میز بجائی۔ ''اپنے مسئلے بعد میں سلجھایئے گا۔ پہلے میرے سوالوں کے جواب دیں۔''

''سب کچھ تو بتا چکا ہوں۔ اور کیا رہ گیا ہے؟'' وہ اکتا گیا۔

''ماموں آپ نے ہمیں ایک بات کبھی نہیں بتائی۔'' حنین فوراً چہکی۔ سعدی نے اسے خفگی سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ اس نے ناراضی سے بھائی کو دیکھا۔

''کیا بھائی۔ اگر آپ دونوں پہ ماموں نے اعتبار نہیں کیا اور مجھ پہ کیا تو پلیز جیلیس نہ ہوں۔ اچھا۔'' اور سنجیدگی سے فارس کی طرف گھومی۔ ''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ سعدی بھائی کو نوشیرواں نے گولی ماری ہے' اور یہ کہ وہ ہاشم کی قید میں ہے!''

اب وہ تینوں اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ ڈائننگ ہال پہ سناٹا طاری ہو گیا اور وہ شدید غیر آرام دہ محسوس کرنے لگا تھا۔

''میں ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہوں۔'' وہ تینوں خاموشی سے اسے گھورتے رہے۔ فارس نے تھک کر گہری سانس لی۔

''وہ نیکلیس!'' اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔ ''جب سعدی غائب ہوا تو میں نے اس کے کمرے کی تلاشی لی۔ پولیس' زمر' سب اس لئے تلاشی لے رہے تھے کہ کوئی کام کی چیز مل جائے۔ میں اس لئے تلاشی لے رہا تھا کہ اور کیا کیا نہیں موجود۔ تب میں نے دیکھا کہ وہ نیکلیس غائب ہے جو اس روز ہاشم نے سعدی کی جیب میں پلانٹ کروایا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ صبح وہ ہاشم کے آفس ہی گیا ہوگا۔ نیکلیس واپس کرنے۔ زمر اور حنین کسی حلیمہ کا نام لے رہے تھے۔ میں نے پتہ کیا' اور معلوم ہوا کہ ہاشم کی سیکرٹری کا نام حلیمہ ہے۔ کچھ عرصے بعد میں نے فیونا کو چند پیسے اوپر دے کر خرید لیا۔ اب سارا معاملہ واضح تھا کہ یہ کاردارز کا کام ہے۔'' پھر رک کر خفگی سے زمر کو دیکھا۔ ''اور آپ کب سے میری سرگرمیوں سے واقف تھیں؟''

''آخری اطلاعات تک میں آپ کی بیوی ہوں' اور جس مفلر کو آپ کے کار کے ڈیش بورڈ میں چھپا کر رکھتے ہیں' وہ کار میں کئی دفعہ ڈرائیو کرنے کا شرف حاصل کر چکی ہوں۔''

''استغفراللہ۔ کسی شریف انسان کی ذاتی چیزوں کی تلاشی لینا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔''

''نہیں میں نے سوچا' شاید آپ کی کسی پرانی کلاس فیلو کی کوئی باقیات مل جائیں ادھر سے۔''

''یار آپ دونوں لڑ بعد میں لینا' پہلے مجھے حساب دیں۔ مجھے اتنے مہینے اندھیرے میں کیوں رکھا آپ نے۔'' وہ جھنجھلا کر کہہ رہا تھا' مگر میز کی دوسری طرف بیٹھے زمر اور فارس' ایک دوسرے کی طرف رخ موڑے' شروع ہو چکے تھے۔ اس نے بے بسی سے حنین کو دیکھا جو فوراً گڑبڑا کے کھڑی ہوئی' دونوں ہاتھ اٹھائے۔ ''آرٹیکل تیرہ!!'' بولا اور اندر بھاگ گئی۔

کمرے میں آ کر اس نے ندرت کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ''ویسے امی' یہ حسینہ نے اتنا قیمتی موبائل لیا کیسے؟'' امی نے نماز سے ابھی ابھی سلام پھیرا تھا۔ اس کو دیکھ کر کہنے لگیں۔ ''اس نے یا تو اپنا زیور بیچا ہے۔ یا اپنے ماں باپ سے پیسے لے کر لیا ہے۔ اس لئے اس سوال پہ

پھیکی پڑ جاتی ہے۔''

''لو اس کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیونکہ تم لوگ اپنے موبائل' ٹیبلیٹ' اور لیپ ٹاپ جب اس کے سامنے استعمال کر رہے ہوتے ہو تو کیا اس کا دل نہیں چاہتا ہوگا ؟ ہم لوگوں کو احساس ہی نہیں ہوتا حنین کہ ہم قیمتی شاپنگ اور بھرے فریج سے اپنے ملازموں کو کتنے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔'' اور وہ سر جھٹک کر نوافل کی نیت باندھنے لگیں۔ حنین گہری سانس لے کر رہ گئی۔

.....❖❖❖.....

اٹھے گا انا الحق کا نعرہ

آئس کریم پارلر میں بجتی موسیقی کسٹمرز کے شور میں دب سی گئی تھی۔ ہر میز پہ رش لگا تھا۔ ایسے میں بمشکل حنین نے دو افراد کی ایک میز قابو کی' اپنا بیگ ادھر رکھا' اور پھر ساتھ کھڑی زمر کو مسکرا کے دیکھا۔ ''میں ہماری جگہ رکھتی ہوں جب تک کہ آپ آئس کریم لے آئیں۔'' پھر ذرا جتا کر بولی۔ ''ظاہر ہے' اتنے عرصے بعد جو آپ نے میرے لئے وقت نکالا ہے تو آرڈر بھی آپ لائیں گی۔'' اور مسکرا کے اپنی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ وہ بالوں کو فرنچ چوٹی میں باندھے ہوئے تھی اور ماتھے پہ گرتے بال تازہ کٹے لگ رہے تھے۔

''شیور۔'' زمر جو سامنے' سینے پہ بازو لپیٹے' اور بالوں پہ سن گلاسز لگائے کھڑی تھی' مسکرا کے کندھے اچکائے بولی۔ ''تمہارے لئے کون سا فلیور لاؤں؟'' آج واقعی عرصے بعد وہ دونوں سارے جھمیلوں سے آزاد ہو کر فرصت سے مل بیٹھی تھیں۔

''جو اپنے لئے لیں' اس کے بالکل الٹ۔'' وہ ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرائے بیٹھی' مزے سے بولی تھی۔ زمر سر ہلا کے آگے بڑھ گئی۔ پھر جب واپس آئی تو ہاتھ میں دو کپس تھے۔

''دیکھ لو۔ اندر سے دونوں آئس کریمز ایک جیسی ہیں' مگر اوپر سے ایک دوسرے کے بالکل الٹ ہیں۔'' حنہ ہنس دی' اور کندھے اچکا کر اپنا کپ قریب کھسکا لیا۔ وہ بھی اب سامنے بیٹھ چکی تھی۔ ارد گرد شور اور رش ویسا ہی موجود تھا' مگر وہ دونوں چونکہ فراغت سے ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھیں تو دھیرے دھیرے اطراف سے دھیان ہٹتا گیا یہاں تک کہ ان کو لگا وہ تنہا بیٹھی ہیں۔

''سوزمر یوسف.... کیسا جا رہا ہے آپ کا نیا گھر؟'' حنین چمچ سے پھل کے ٹکڑوں کو آئس کریم میں مکس کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''مجھے لگتا تھا سعدی کا کیس ختم ہوگا تو مجھے بہت وقت مل جائے گا' میں فارغ ہوں گی مگر ورکنگ ویمن کے لئے فراغت ایک خیالی پلاؤ ہے۔ یا شاید مصروفیت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ تم سناؤ۔''

''میں ٹھیک ہوں۔ گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ ارے ہاں' میں ہوم ڈیکور' اور ہوم امپرومنٹ پہ ایک کتاب لکھ رہی ہوں۔ کیا میں نے آپ کو بتایا؟''

''غالباً تم مجھے پچھلے دو ہفتوں میں دو سو دفعہ بتا ہی چکی ہو۔''

حنہ نے برا منہ بنا کر اسے دیکھا۔ ''روز تو ملتے ہیں ہم' اب سمجھ ہی نہیں آتا کہ ''اور سناؤ'' کا جواب کیا دے انسان۔''

''تمہیں یاد ہے حنین... میں اور تم.... انیکسی کے تہہ خانے میں زمین پہ بیٹھ کر.... رات کے اندھیرے میں.... ایک دوسرے سے سچ بولا کرتے تھے؟'' زمر آئس کریم کھاتے ہوئے مسکرا کے یاد کر رہی تھی۔ حنہ کی آنکھیں چمکیں۔

''چلیں آج پھر ایک دوسرے سے سچ بولتے ہیں۔ پہلے آپ کی باری۔''

''ہوں!'' وہ منہ میں کریم سے بھرا چمچ رکھ کر نگاہیں اوپر کیے سوچنے لگی۔ پھر حنہ کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''جب تم چھوٹی تھیں تو میں اکثر

تمہارے گھر میں چابیاں بھول جاتی تھی۔ جان کر۔''

''اور مجھے کئی سال بعد مگر سمجھ آ گئی تھی کہ آپ وہ جان کر بھولتی ہیں' اور میں کھڑکی سے آپ کو دیکھا کرتی تھی۔'' حنہ خفیف سا ہنس دی۔ ''مجھے یقین تھا کہ آپ پلٹ آنے والوں میں سے ہیں۔''

''اور تم بھی!'' چند لمحے کے لئے دونوں کے درمیان آزردہ سی خاموشی چھا گئی۔ پھر حنہ نے اداسی دور کرنے کو مسکرا کے سر جھٹکا۔ ''اب سب ٹھیک ہے۔ اب ہم نے اداس نہیں ہونا۔ چلیں... اب بھر سے آپ کی باری۔''

''مجھے تو اور کچھ یاد نہیں آ رہا۔'' زمر نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

''اچھا ایک بات بتائیں۔'' وہ درمیان میں چمچ کو لبوں کے اندر رکھنے کو رکی' اسے منہ میں گھولا' پھر بولی۔ ''آبدار کے بعد.... کیا آپ پرسکون ہیں؟ میرا مطلب ہے' آپ کو فارس ماموں کی طرف سے' بھلے آپ کو چڑانے اور جلانے کے لئے ہی سہی' دوسری عورت والا دھڑکا تو نہیں لگا رہتا۔''

''ہرگز نہیں۔'' زمر نے فخر سے گردن کڑائی۔ ''مجھے یقین ہے کہ آئندہ وہ مجھے تنگ کرنے کے لئے بھی کسی دوسری عورت کا نام نہیں لے گا۔''

چند ثانیے دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ پھر حنہ نے زبان کھولی۔ ''یہ سچ نہیں تھا۔''

''بالکل۔ یہ سچ نہیں تھا۔'' زمر نے گہری سانس لی اور وہ دونوں ہنس پڑیں۔

''ویسے تم خوش ہو؟ میرے اور فارس کے جانے سے؟''

''اوں....'' حنہ نے ابرو اچکا کے بے نیازی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ''میں اب کافی میچور ہو گئی ہوں۔ آپ سعدی بھائی کو زیادہ توجہ دیں یا فارس ماموں کو' میں اب بالکل بھی جیلیس نہیں ہوتی۔''

''او کے مگر یہ جھوٹ تھا۔''

''آف کورس یہ جھوٹ تھا۔'' حنہ جھرجھری سی لے کر اپنے کپ پہ جھک گئی اور جلدی جلدی کھانے لگ گئی۔

''سنو حنہ.... ہمیں یہ سب....'' آئس کریم کے کپس کی طرف اشارہ کیا۔ ''زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے' تاکہ ہم ایک دوسرے سے سچ بولنا سیکھ لیں۔''

''کیا یہ سچ تھا؟'' حنہ نے اس کو دیکھ کر پلکیں جھپکائیں تو وہ ہنس پڑی اور اپنے کپ میں چمچ گھمانے لگی.... موسیقی اب بھی انسانوں کے شور' اور قہقہوں کے اندر دبی ہوئی تھی.... اور آئس کریم پارلر میں رش بڑھتا ہی جا رہا تھا.....

❖❖❖

جو میں بھی ہوں' اور تم بھی ہو

فوڈ لی ایور آفٹر میں اس دوپہر نوجوانوں کا ایک ہجوم جمع تھا۔ چند میزوں پہ ایک طرف انہوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور وہ پرجوش انداز میں ایک دوسرے سے باتوں میں مگن تھے۔ بار بار گھڑیاں بھی دیکھتے' موبائل بھی چیک کرتے۔ جیسے انتظار میں تھے۔

بالائی منزل کے ہال میں سارا سامان سمیٹا جا چکا تھا' بس ایک میز پہ کچھ باکس رکھے تھے جن میں سے فارس کھڑا جھک کر کچھ کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ سفید ڈریس شرٹ اور سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا' بال اب بھی پہلے کی طرح چھوٹے تھے' مگر چہرے سے ساری کلفت' بے زاری اور اکتاہٹ دور ہو چکی تھی۔ اس پہ ہمہ وقت ٹھنڈے اور خوشگوار تاثرات رہا کرتے تھے۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا اور سعدی اندر داخل ہوا۔ وہ نہیں بلا' اپنا کام کرتا رہا۔ سعدی اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا اور برہمی سے اسے گھورا۔ ''ان لوگوں کو کس نے بلایا ہے؟''

''ہر غلط کام میں میرا ہاتھ نہیں ہوتا سعدی یوسف۔'' وہ مصروف انداز میں چند کاغذ ایک فائل میں لگا رہا تھا۔

''یہ مختلف شہروں سے آئے سیو سعدی یوسف بچ کے ایکٹو ممبرز ہیں ماموں۔ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ میں شرمندہ تھا۔''

''میں نے نہیں بلایا یار ان کو۔ تمہاری امی کا ہاتھ ہوگا اس میں۔ میں اپنے کام سے آیا ہوں ادھر۔'' وہ سادگی سے اسے دیکھ کر بولا تو سعدی نے خفگی سے سر جھٹکا۔

''اب میں ان سے جا کر کیا بات کروں؟ کیسے ان کو تسلی دوں کہ اس ملک میں قاتل بچ جاتے ہیں مگر پھر بھی اس کا مستقبل روشن ہے؟''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ مجھے الزام نہ دینا۔''

''ٹھیک ہے' میں مانتا ہوں کہ ہم وہ ثبوت استعمال کر لیتے تب بھی نوشیرواں نہ پکڑا جاتا' لیکن .... ہاشم ہم اس کو سزا دلوا سکتے تھے ....عدالت کے ذریعے.... تاکہ ایک مثال قائم ہوتی۔ یوں بیک ڈور سے کسی ایجنسی کے ذریعے نہیں۔''

''واٹ ایور۔'' وہ اپنے بیگ میں چند فائلز ڈال کے سیدھا ہوا' بیگ اٹھایا اور اسی سادگی سے اسے دیکھا۔ ''اب وہ تمہارے مہمان ہیں۔ تم ان کے پاس جا کر ایک اچھی سی تقریر کر دو۔ مجھے کام ہے۔ میں جا رہا ہوں۔'' اس کے کندھے کو دبایا' اور آگے بڑھ گیا۔

سعدی یوسف جس وقت ریسٹورانٹ کے لاؤنج میں داخل ہوا' سب اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سیاہ شرٹ نیلی جینز کے اوپر پہنے ہوئے تھا' اور سنجیدہ مگر متذبذب نظر آ رہا تھا۔ کسی نے سیلفی بنائی' کسی نے کلک کلک کر کے تصاویر اتار دیں۔ وہ جبراً مسکرا کے سب کو ہاتھ ہلاتا ایک مرکزی میز تک آیا' اور کرسی کھینچی۔ سب اس کے ساتھ ہی بیٹھے۔ خاموشی سی چھا گئی۔ سعدی کی نظریں نیپکین اور گلاس پہ جمی تھیں۔ وہ اس سے تسلی لینے آئے تھے' اس سے جواب مانگنے آئے تھے' انہیں کن الفاظ میں اچھی امید تھمائے؟

''آپ لوگوں کا شکریہ کہ آپ یہاں آئے۔'' کھنکھار کے اس نے کہنا شروع کیا۔ نظریں اب بھی جھکی تھیں۔ وہ کتنا اچھا مقرر تھا' بہترین بولتا تھا' مگر آج سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ وہ کیسے لوگوں کو بتائے گا کہ حق کے لئے اتنے مہینے لڑنے کا کوئی فائدہ تھا اگر وہ خود اس سوال کا جواب نہیں جانتا تھا۔ وہ کیسے اپنی اتنے مہینوں کی خواری کو جسٹی فائی کر پائے گا۔

''میں... دراصل مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں آپ سے کیا کہوں۔'' اس نے بدقت نظریں اٹھائیں۔ میزیں باہم جوڑ کر وہ لوگ ان کے گرد بیٹھے' اس پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔ سعدی یوسف کو گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

''ہم نے کئی مہینے کورٹ میں لڑائی لڑی مگر آخر میں....''

''میں ایک سکول ٹیچر ہوں' سر!'' دائیں قطار میں بیٹھی اسکارف والی لڑکی ایک دم بولنے لگی۔ وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔ سب اس کو دیکھنے لگے۔ وہ سانولی سی تھی' اور اس کی آنکھیں بہت سنجیدہ تھیں۔ ''اور میں بغیر کسی شرمندگی کے آپ لوگوں کو یہ بتا سکتی ہوں کہ میرے اسکول کا ایک کلرک پچھلے پانچ سال سے مجھ سمیت کئی ٹیچرز کو اپنی پرائیوٹ پراپرٹی سمجھتا تھا۔ اس کا جب دل چاہتا وہ کسی کو بھی ہراس کر سکتا تھا' مگر اسے کوئی روکنے والا نہیں تھا۔'' شدتِ جذبات سے بولتے اس کو چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ ''لیکن جس دن میں نے آپ کو دیکھا... وہ انٹرویو دیتے ہوئے... وہ قانونی جنگ لڑتے ہوئے... روزِ عدالت میں سر بہادری سے اٹھا کر چل کے جاتے ہوئے.... تب میں نے جانا تھا کہ اپنے حق کے لئے اور ظلم کے خلاف کیسے لڑا جاتا ہے۔ اس دن سر' میں اٹھ کھڑی ہوئی' میں نے ٹیچرز کو اکٹھا کیا' اور ہم نے اس کلرک کو دن کی روشنی میں سب

کے سامنے بے عزت کیا' اس کی شکایت کی' اس کو....''

''یونو.... مجھے یونیورسٹی میں دولڑکے bully کرتے تھے۔'' اسکی بات ختم ہونے سے پہلے ایک دوسرا لڑکا بول اٹھا۔ ''اور میں اتنے مہینے سے ان کا errards boy بنا ہوا تھا۔ میں ان کے کام کرتا' ذاتی بھی اور نصابی بھی.... میں ان سے ڈرتا تھا.... میں ان سے ہراساں ہوتا تھا مگر جب آپ نوشیرواں کا کردار کے خلاف کھڑے ہوئے تھے نا سعدی بھائی' تب میں نے بھی اپنے خوف کا بت توڑا' میں نے انگلی اٹھا کر ان کو بھرے مجمعے میں کہا کہ آج کے بعد وہ مجھ پہ حکم چلا کر تو دیکھیں' میں انہیں کورٹ میں گھسیٹوں گا' میں ان کو....'' مگر ساتھ ہی ایک دوسرے نوجوان نے تیز تیز بولنا شروع کر دیا تھا۔

''میرے دوست کی بہن کو اس کا کالج ٹیچر بلیک میل کر رہا تھا' اور یقین کریں سعدی' اگر آپ کو میں نے وہ انٹرویو دیتے نہ دیکھا ہوتا... اگر آپ کی بہن کی گواہی نہ سنی ہوتی' تو میں کبھی اپنے دوست کو نہ سمجھا سکتا کہ اسے بلیک میل کا کیسے بہادری سے مقابلہ کرنا ہے' اسے کیسے اپنی عزت کی حفاظت....''

''میرے والد انکم ٹیکس میں کام کرتے ہیں' ان کا باس ان کو ہر وقت....''

''میں جب ہاسٹل میں تھی تو جانتے ہیں میری وارڈن نے کیا کیا؟''

''میں نے جب آپ کو ان امیر بدمعاشوں کے سامنے کھڑے ہوتے دیکھا تھا نا سعدی بھائی' تب میرے اندر ہمت آئی اور....''

وہ دم بخود بیٹھا تھا.... کبھی ٹکر ٹکر ایک ایک کی شکل دیکھتا' کبھی دوسرے کی طرف رخ پھیرتا.... وہ کچھ بول نہیں پا رہا تھا.... وہ ان کو ٹوک بھی نہیں پا رہا تھا۔ وہ اس سے تسلی سننے نہیں آئے تھے.... وہ اس کو سنانے آئے تھے... داستانیں.... کہانیاں.... ہمت اور بہادری سے لڑی جانے والی جنگیں.... اور وہ یک ٹک سن رہا تھا.... پلک جھپکے بغیر.... وہ ایک ایک کا چہرہ تک رہا تھا.... وہ صرف ان کی بہادری کی' جدوجہد کی کہانی سن پاتا' مگر پھر دوسرا بول اٹھتا اور وہ جان ہی نہ پاتا کہ اس کلرک کو کیا سزا ملی' ہراساں کرنے والے دوستوں کا کیا بنا' بلیک میلر کالج ٹیچر کو نکالا گیا یا نہیں' انکم ٹیکس والے باس اور ہاسٹل کی وارڈن کی نوکری گئی یا نہیں... اور اس سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا..... نہ انہیں اس بات سے فرق پڑتا تھا کہ نوشیرواں بچ گیا اور بھاگ گیا۔ وہاں سب کے لئے صرف جدوجہد اہم تھی.... اپنے خوف کے بت توڑ دینا... آزاد ہو جانا... وہاں صرف مقتل میں اترنے کی دھج کا ذکر تھا' اس شان کا ذکر تھا.... وہ شان جو ایک کی ہوتی ہے مگر کئی ہزاروں کو ہمت دے جاتی ہے.... سب کو کچھ سکھا جاتی ہے.... وہ اس سے تسلی لینے نہیں آئے تھے.... وہ اس کو تسلی دینے بھی نہیں آئے تھے.... وہ تو اپنی داستانیں سنانے آئے تھے.... اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولا پھنس رہا تھا... وہ اسی طرح رونا چاہتا تھا جیسے فیصلے کے دن رویا تھا.... مگر آج وجہ وہ نہیں تھی۔ آج وجہ یہ تھی کہ اسے اب معلوم ہوا تھا کہ فیصلے کی گھڑیاں شاید تب بیتی نہیں تھیں.... فیصلہ تو اب ہوا تھا.... وہ ہارا نہیں تھا.... وہ جیت گیا تھا... اور جو جیتا تھا' وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو اس نے ہارا تھا.... اس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے ریستوران کی شیشے کی دیوار کو دیکھا۔ جہاں پارکنگ میں فارس اپنی کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔ اور اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ سعدی کو دیکھتے پا کر وہ مسکرایا' ایک آنکھ دبائی اور پھر اندر بیٹھ گیا۔

بہت سے آنسو اندر ہی اتار کے سعدی یوسف بڑبڑایا تھا۔ ''دو نمبر آدمی!''

..... ❖ ❖ ❖ .....

چھے ماہ بعد

دسمبر 2016

پورا چاند آسمان پہ یوں جگمگا رہا تھا جیسے چاندی تھال ہو۔ وہ آج اتنا بڑا' اتنا قریب نظر آ رہا تھا کہ لگتا' ابھی پگھلی ہوئی چاندی زمین پہ انڈیلنے لگے گا۔ اس کے گرد سرمئی بادل جمع ہو رہے تھے۔ ہلکے' ہر بوجھ سے آزاد بادل.....

نیچے دیکھو تو ہوٹل کے سبزہ زار میں نیلے سوئمنگ پول کے پانی میں چاند کا عکس تیر رہا تھا۔ ہچکولے کھا رہا تھا۔ پول کے ایک طرف دو آرام کرسیاں بچھی تھیں اور وہ دونوں ساتھ ساتھ ان پہ بیٹھے تھے۔ سردی اپنے جوبن پہ تھی اور اسی مناسبت سے فارس نے بھوری جیکٹ پہن رکھی تھی اور گردن اٹھائے چاند کو دیکھ رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی زمر سفید جیکٹ پہنے ہوئے تھی اور اس کا چہرہ بھی اوپر کی طرف اٹھا تھا۔

''تمہیں پورے چاند کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے' فارس غازی؟'' وہ اس مسحور کن لمحے کے زیرِ اثر چاندی کے تھال کو تکتے بولی تھی۔ وہ اس کے منہ سے کچھ خوبصورت سننا چاہتی تھی۔

''یہی کہ اگر نیل آرم اسٹرانگ نہ مرتا تو کم از کم ہمیں یہ تو بتا دیتا کہ انسان چاند پہ گیا بھی تھا یا وہ صرف ایک امریکی ڈرامہ تھا؟'' سارا فسوں ٹوٹ گیا۔ زمر کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ خفگی سے نظریں موڑ کے فارس کو دیکھا۔ وہ مطمئن' ہشاش بشاش سا نظر آتا' سر پیچھے ٹکائے اب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے' تم نے کتنے عرصے سے مجھے یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں کتنی اچھی لگتی ہوں اور....''

''کس نے کہا تم مجھے اچھی لگتی ہو؟'' (اونچی بڑبڑاہٹ)

''.....اور نہ ہی میری تعریف کی ہے۔''

''کس چیز کی تعریف کروں؟ ان بالوں کی جو تم ڈائی کرتی ہو' یا اس چہرے کی جس پہ ہر وقت غصہ دھرا رہتا ہے؟''

''ارے واہ۔ ایک زمانے میں تو سات سال تک قید میں ڈالنے کی باتیں کرتے تھے اور اب دیکھو.... کتنے عرصے بعد تمہیں ڈنر کروانے کا وقت ملا ہے۔'' وہ خفگی سے بولی تھی۔

''وہ بھی اس لئے تمہیں لایا ہوں کیونکہ تم نے کہا تھا کہ بل تم دو گی۔'' وہ تپانے والے انداز میں مسکرایا تھا۔ (وہ باہر اس لئے بیٹھے تھے کیونکہ ابھی ڈائننگ ایریا میں کوئی میز خالی نہ تھی۔)

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ ویسے بھی میرے سارے پیسے تم نے رکھ لئے تھے۔''

''بی بی... ایک منٹ...'' وہ حیران سا سیدھا ہوا۔ ''میں آپ کو ساری رقم واپس کر چکا ہوں چھے ماہ پہلے ہی۔''

''کوئی ثبوت؟'' اس نے سنجیدگی سے ابرو اٹھائی۔ فارس نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''تم جج بننے کے لئے امتحان کیوں نہیں دے دیتیں۔ بہت اچھی جج بنو گی تم۔'' اور وہ بے اختیار ہنس دی۔ پھر دوبارہ سے گردن اٹھا کے چاند کو دیکھنے لگی۔

''میں خوش ہوں' فارس!''

''میں بھی خوش ہوں۔''

''تم کیوں خوش ہو؟''

''کیونکہ میرے آفس میں دو بہت خوبصورت لڑکیاں کام کرتی ہیں اور....''

''فارس غازی!'' اس نے زور سے پیر زمین پہ پٹخا تو وہ مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھا کر جلدی سے بولا۔''میں...میں اس لیے خوش ہوں کیونکہ میری زندگی اب stable ہو گئی ہے۔ میرے پاس ایک بہت اچھی...دل کی اچھی بیوی ہے۔ میرا خاندان مجھ سے خوش ہے...عزیزوں رشتے داروں میں مجھے اب کوئی قاتل یا مجرم نہیں سمجھتا۔ ہاشم اور اس کا خاندان ہماری زندگیوں سے جا چکا ہے...میرے بھانجے اپنی زندگیوں میں صحت مند شہری بن کے بالآخر سیٹل ہو چکے ہیں۔ میرے پاس ایک اچھی گاڑی ہے' جاب ہے' گھر ہے اور میرے آفس میں دو بہت خوبصورت لڑکیاں کام کرتی ہیں۔''

اور اس دفعہ آخر میں وہ دونوں ہنسے تھے۔

''آئی رئیلی ہیٹ یو فارس!''

''لو یو ٹو!'' وہ مسکرا کے بولا تھا۔ وہ واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔ سفید جیکٹ سے ڈھکے کندھوں پہ گرتے گھنگریالے بھورے بال اور بھوری آنکھوں کی مسکراتی چمک...وہ واقعی خوش تھی....اور وہ بھی تھا....

دھماکے کی آواز آئی تو وہ چونکا۔ وہ بھی چونکی۔ لمحے بھر کو دل گھبرایا' مگر پھر دیکھا...ساتھ سے گزرتی ایک لڑکی سیل فون پہ کوئی فلم دیکھ رہی تھی۔ یا کسی فلم کا ٹریلر۔ زمر نے اس کا پہلے لمحے بھر کو ششدر رہ جانے والا چہرہ دیکھا' اور پھر اسے ریلیکس ہوتے دیکھا تو نرمی سے بولی۔''فارس۔ اب سب ٹھیک ہے۔ کوئی سازشیں...کوئی قتل و غارت اب ہماری زندگیوں میں نہیں ہوگی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ گہری سانس لے کر مسکرایا۔ پھر جھرجھری سی لی۔''بس کبھی کبھی....ایک خیال سا ذہن سے گزرتا ہے....جیسے دور کہیں....کوئی کارما ہے جو میری گھات میں بیٹھا ہے۔''

''یہ صرف تمہارا وہم ہے۔ میں جانتی ہوں ہم سے بھی غلط کام ہوئے ہیں مگر ہم سروائیول کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اصول یہ ہے کہ اگر بدلہ لو تو اتنا لو جتنا ظلم کیے گئے تھے اور اگر اس کے بعد کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرے تو پھر اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ سو تم....'' ہاتھ بڑھا کے اس کے گھٹنے پہ رکھا۔''ریلیکس ہو جاؤ اور اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ اللہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔''

''میں اب اتھیئسٹ نہیں رہا۔ میرا ایمان اور یقین اب واپس آ چکا ہے۔'' وہ مسکرایا۔''اب میں پرسکون رہنے کی کوشش کروں گا۔''

''اور جب تک زندہ ہو' یہ یاد رکھنا کہ ہم سب ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑے ہیں اور میں جب تک زندہ ہوں یہ یاد رکھوں گی کہ تم میرے سب سے اچھے دوست ہو۔''

وہ ہلکا سا ہنسا۔''آج بہت عرصے بعد تم چڑیل نہیں لگیں۔''

''او کے اب ذرا ہم ڈنر ہال کی طرف جاتے ہیں...اور راستے میں تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ میرا یہ نام کس نے رکھا تھا...'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''احمر نے۔'' وہ بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔

''اور تم نے اسے ایک دفعہ بھی ٹوکا؟''

''بالکل نہیں۔ میں نے تو اسے شاباش دی تھی....''

''اور تھوڑی سی شرم آئی تمہیں شاباش دیتے ہوئے۔''

''دیکھو میں ایک شریف آدمی ہوں اور....'' وہ دونوں ماہ کامل کی اس سرد رات میں قدم اٹھاتے چلتے جا رہے تھے....دور ہوتے جا رہے تھے...اور ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھیں...دور سے یہی دکھائی دیتا تھا کہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا غازی' اس کی طرف

جھک کر مسلسل کچھ کہہ بھی رہا تھا اور وہ نفی میں افسوس سے سر ہلائے جا رہی تھی... مسلسل لڑ رہی تھی.... چاندی کے تھال سے چاندی اب بہہ بہہ کر ساری دنیا پہ گرنے لگی تھی.... سب کچھ چمکنے لگا تھا...

❖❖❖

اور راج کرے گی خلق خدا ..... جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو

اور چند میل کے فاصلے پہ بنی عمارت کے وسیع آڈیٹوریم میں کرسیاں اوپر سے نیچے تک بھری تھیں۔ پہلی قطار سے ایک طرف کیمروں اور فلیش لائیٹس کی چکا چوند روسٹرم پہ کھڑے سعدی کی آنکھیں چندھائے دے رہی تھی مگر وہ اب ان کا عادی تھا۔ سیاہ تھری پیس سوٹ' ٹائی' کف لنکس پہنے' بالوں کو جیل لگا کر پیچھے کیے' وہ ڈائس پہ ہاتھ رکھے کھڑا' مائیک پہ چہرہ جھکائے' آنکھیں لوگوں پہ مرکوز کیے کہہ رہا تھا۔

''میرا نام سعدی یوسف خان ہے۔ لوگ مجھے پیار سے سعدی کہہ کر بلاتے ہیں۔ اور غصے سے بھی یہی کہتے ہیں۔''

ہال میں کھلکھلاہٹ سی گونجی تھی۔ وہ مسکراہٹ بھرے پرسکون چہرے کے ساتھ کہنے لگا۔

''چھے ماہ پہلے جب میں کیس ہارا تھا تو مجھے لگا تھا میں ہار گیا ہوں۔ ختم ہو گیا ہوں۔ مجھے لگا تھا اب اس ملک کا کچھ نہیں ہو سکے گا۔ جب اتنا بڑا مجرم جس کے خلاف عینی شاہد ہوں' جب جج اس کو بری کر دیں یا پولیس دباؤ ڈال کر مقتول کے وارثوں سے ملزم کو معافی دلوا دے تو انسان سوچتا ہے' اس ملک کا کیا بنے گا۔ جب ججوں کی بحالی اور عدلیہ کی آزادی کی تحریک چلانے والے ججوں کو متکبر اور وکلاء کو متشدد بنے دیکھیں تو سوچتے ہیں کہ ہماری ریاضت رائیگاں گئی مگر مجھے کچھ عرصہ لگا یہ سمجھنے میں کہ ایسا نہیں ہوا....'' اس کی آواز سارے ہال میں گونج رہی تھی.... اور لگتا تھا ماہِ کامل کی اس برف رات میں وہ آواز دنیا کے ایک ایک کونے تک جا رہی تھی....

(میں' سعدی یوسف' آپ سب لوگوں کے سامنے بانگ دہل یہ بات کہتا ہوں کہ جب کوئی پاکستانی شہری کسی قاتل امیر آدمی یا کسی کرپٹ سیاستدان کے خلاف عدالت میں کیس لے کر جاتا ہے.... تو اگر مصلحت کے مارے ججز فیصلہ دیتے وقت مجرم کو فائدہ دے بھی جائیں... ہاں تب بھی مدعی نہیں ہارتا.... انصاف کے لئے لڑنے والا نہیں ہارتا... وہ تو اسی دن جیت گیا تھا جب اس نے ہمت اور بہادری دکھاتے ہوئے امیر قاتلوں اور ڈاکوؤں کو عدالت میں گھسیٹا تھا.... جب ایسے مصلحت میں لپٹے فیصلے آتے ہیں تو جج ہارتے ہیں.... قانون ہارتا ہے.... ملک کے انصاف کے ادارے ہارتے ہیں.... مدعی نہیں ہارتا... ایسے فیصلے ہونے سے انصاف کے مدعی کا کچھ نہیں جاتا.... وہ تو جیتا ہوا تھا.... ایکسپوز تو ججز ہوتے ہیں... ہماری ناکام' کمزور اور کرپٹ عدلیہ اپنے آپ کو ایسے فیصلے کر کے خود بے عزت کر دیتی ہے.... یاد رکھیے گا.... انصاف کے لئے لڑنے والا کبھی نہیں ہارتا....)

اس تنگ و تاریک کوٹھڑی کے دروازے میں ایک چھوٹا سا چوکھٹا بنا تھا۔ جس میں شیشہ لگا تھا۔ ہاشم اس دروازے کے ساتھ کمر لگائے بیٹھا تھا۔ قیدیوں کا لباس پہنے' اس کی شیو بڑھی تھی اور وہ گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازہ کھلا اور ایک سیاہ وردی والا سپاہی نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

''میری بات سنو۔'' ہاشم بے بسی اور غصے بھری دبی آواز میں بولا تھا۔ ''تم میری بات پہ غور کر کے تو دیکھو۔ میرے پاس اب بھی بہت سے خفیہ بینک اکاؤنٹس ہیں جن کا نہ میرے گھر والوں کو علم ہے' نہ ان سیکیورٹی ایجنسز والوں کو۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں تمہیں بہت امیر کر سکتا ہوں۔''

گارڈ نے ٹرے اندر پٹخی اور ایک غصیلی خاموش نظر اس پہ ڈالتا باہر نکل گیا۔ دروازے کے آہنی تالے چڑھنے کی آواز آئی تو ہاشم نے زور سے دیوار پہ مکا دے مارا۔

''میرے اعصاب بہت مضبوط ہیں' یہ جیل میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں نکلوں گا اس سے ایک دن۔ پھر میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔''

اور تابڑ توڑ مکے دروازے پہ مارنے لگا یہاں تک کہ اسکے ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔ ''مجھے نہیں معلوم اس وقت میں کس ملک میں ہوں' لیکن تم لوگ پچھتاؤ گے۔ مجھے میری بیٹی کو نہیں ڈھونڈنے دیا تم نے....تم سب پچھتاؤ گے۔''

(اور چونکہ مجھے آج اس سیمینار میں آپ سے بات کرنے کا موقع ملا ہے تو میں آپ کو سورۃ النمل کی چند آیات سنانا چاہوں گا۔ قرآن کی آیات کے معانی ہر دفعہ نئے سرے سے ہم پہ کھلتے ہیں۔ سورۃ النمل کی آخری آیات بھی مجھے یوں لگتا ہے آج مجھے پہلی دفعہ سمجھ آئی ہیں۔)

قصرِ کاردار رات کے اس پہر اندھیرے مین ڈوبا تھا...اب اس کی بتیاں رات گئے تک جلا نہیں کرتی تھیں۔ بس بجھی رہتی تھیں۔ تاریک بالکونی میز پہ چیکس بکس' آفس ڈاکومنٹس اور عینک رکھی تھی اور ریلنگ کے ساتھ ایک ہیولہ سا کھڑا نظر آتا تھا...سلور رنگ کا چغہ پہنے' ہڈ سر پہ گرائے' وہ جلے ہوئے ہاتھ ریلنگ پہ جمائے دور کہیں پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی....اور انیکسی اس کو دیکھ کر زخمی سا مسکرا رہی تھی۔

(''میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ اور جب ان پر وعدہ پورا ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔'' وہ سانس لینے کو رکا اور ایک نظر خاموش ہال کو دیکھا۔ ''النمل کی آخری آیات میں ایک زمین کے جانور کا ذکر ہے جو قربِ قیامت زمین سے نکلے گا' اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔ ویسے تو یہ ایک قیامت کی نشانی ہے مگر یہ اس سورۃ کے اختتام میں آئی ہے جو چیونٹیوں کی سورۃ ہے...جس کے ہر واقعے میں ایک ایک چیونٹی اکیلی سارے عالم سے ٹکراتی ہے' ان کو اصلاح کی طرف پکارتی ہے' ان کا ہاتھ ظلم سے روکتی نظر آتی ہے....مگر ہر کوئی اسے نہیں سنتا....ہم چیونٹیوں جیسے لوگوں کی جب متکبر لوگ بات نہیں سنتے تو آخر میں زمین پھٹتی ہے' اور بڑے بڑے جانور نکل کر...انہی جیسے خوفناک جانور نکل کے انہیں عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں....جب چیونٹیوں کو قدموں تلے پیسا جاتا ہے تو وہ کاٹیں یا نہ کاٹیں' زمین کے اندر چھپے جانوروں کو باہر نکال لاتی ہیں وہ....'')

کانفرس روم میں متعدد غیر ملکی مہمان بیٹھے تھے' اور ان کے میزبان بھی مسکراتے ہوئے سامنے موجود نظر آرہے تھے۔ دھڑا دھڑ مختلف یادداشتوں پہ دستخط ہو رہے تھے اور ڈاکٹر سارہ مسکرا کے اس ساری کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ قریب بیٹھی لڑکی نے جھک کر سرگوشی کی۔ ''تھرکول بالآخر ایک حقیقت بننے جا رہا ہے۔ کیا سعدی اب بھی واپس نہیں آئے گا؟''

سارہ نے اس کے کان کے قریب آہستہ سے کہا۔ ''وہ پرائیوٹ سیکٹر میں چلا گیا ہے۔ اب جب راستہ کھل گیا ہے تو وہ آنے پہ راضی نہیں۔ کہتا ہے وہ سرکاری عہدہ لے کر مصلحتوں کا شکار ہو کر نہیں کام کر سکتا۔ وہ زیادہ daring کام کرنا چاہتا ہے۔''

(اور آگے اللہ فرماتا ہے...''.اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی جماعت بندی ہوگی یہاں تک کہ جب سب حاضر ہوں گے کہے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم انہیں سمجھے بھی نہ تھے یا کیا کرتے رہے ہو۔ اور ان کے ظلم سے ان پر الزام قائم ہو جائے گا پھر وہ بول بھی نہ سکیں گے۔'' یہ آیات ہر مظلوم کے دل کو ٹھنڈک دیتی ہیں۔ ان کو پڑھ کے' ان کو سمجھ کے میں نے یہ جانا ہے کہ آج عدالتوں میں' ٹی وی پہ' چوراہوں اور چوک میں' یہ ظالم' بارسوخ کرپٹ لوگ کتنا مرضی جھوٹ بول لیں' ابھی قیامت نہیں آئی۔ اور جب آئے گی' تو وہ بول بھی نہیں سکیں گے۔ اس دن ان کی کوئی صفائی' کوئی توجیہہ نہیں سنی جائے گی۔ ہاں کبھی تو ان ظالموں کی بھی زبان بندی ہوگی۔ اس لئے ان کی زبانوں سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔)

سفید دیواروں والے کمرے میں خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں...گھومنے والی کرسی پہ سفید کوٹ پہنے بیٹھی ڈاکٹر پیڈ پہ قلم سے چند الفاظ گھسیٹ رہی تھی۔ اور سامنے بیٹھا' آنکھوں تلے حلقے لئے نوشیرواں پژمردگی اور اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا اب میں یہ دوا چھوڑ نہیں سکتا؟ کیا ان دواؤں کے بغیر مجھے کہیں سکون نہیں ملے گا؟''

''آئی ایم سوری' لیکن آپ کی ذہنی حالت کے لئے یہ بہت ضروری ہیں۔'' وہ صفحہ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی

تھی... شیرو نے اذیت سے آنکھیں موند لیں۔ دوائیاں.... نیند کی... ڈپریشن کی... سکون کی.... قابیل کی مہر ماتھے پہ دہکنے لگی تھی...

(''کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات بنائی تا کہ اس میں چین حاصل کریں اور دیکھنے کو دن بنایا البتہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب ہی گھبرائیں گے مگر جسے اللہ چاہے اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔'' یہ آیات سن کر میرے دوستو... کیا ہم صرف اپنے دشمنوں کی عاقبت کا سوچتے ہیں یا اپنا بھی سوچتے ہیں؟ کیا ہم اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ رہنے والے کام کرتے ہیں؟)

ہارون عبید ایک ٹاک شو کے سیٹ پہ بیٹھے مسکرا مسکرا کے مقابل موجود دو مہمانوں سے بحث کر رہے تھے.... ان کے انداز میں بے نیازی تھی.... آگے بڑھنے کی لگن... عنقریب پا لینے والی فتح کی چاہ.... اور وہ کہہ رہے تھے۔ ''ہم نے اس ملک میں جمہوریت کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ ہماری منزل قریب ہے... آپ دیکھئے گا کہ ہم کیسے...''

(''اور تو جو پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھ رہا ہے یہ تو بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے اس اللہ کی کاریگری سے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے اسے خبر ہے جو تم کرتے ہو'' درست فرمایا اللہ نے۔ چاہے وہ ظالم لوگ ہوں یا ظالم حالات یوں لگتا ہے وہ پہاڑ جیسے ہیں۔ جمے ہوئے۔ کبھی ہماری زندگیوں سے' ہمارے راستوں سے نہیں ہٹیں گے... مگر ایسا نہیں ہے۔ میں نے ان ظالم لوگوں اور ظالم حالات کو روئی کے گالوں کی طرح دھنکے جاتے دیکھا ہے.... باقی رہ جانے والا صرف اللہ ہے.... باقی سب کو زوال آنا ہے.... خود ہمیں بھی....)

صاحبزادی صاحبہ اپنے لاکر کو کھولے کھڑی تھی۔ اس میں بڑا ایک بڑا ڈبہ کھلا ہوا تھا.... اور اس کی سیاہ مخمل پہ جگمگاتے ہیرے پڑے نظر آ رہے تھے۔ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے زیورات... ان کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی... وہ جب سے زندگی میں آئے تھے' وہ بے رحم فیصلے کرنے لگی تھی مگر اب پرواہ نہیں رہی تھی.... وہ زیورات... ان کی چمک.....

(''جو نیکی لائے گا سو اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں اس آیت میں یہ بتاتا ہے کہ ہمیں سکون' انعام' جنت' یہ چیزیں اپنی نیکیوں کے ''بدلے'' کے طور پہ نہیں ملیں گی' بلکہ جو بھی نیکی کرے گا اس کو اس کی نیکی سے ''بڑھ کے'' بدلے میں یہ سب ملے گا۔ پھر جب فیصلے کی گھڑی آئے گی' تو یہ ہماری چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہوں گی جو ہمارے دل کو دنیا اور آخرت میں گھبراہٹ سے بچائیں گی۔ اگر آپ کا دل بات بہ بات گھبرا جاتا ہے تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نیکیاں کیا کیجئے۔ کسی کا دل رکھ لینا' کسی کو پانی پلا دینا' زبان پہ طنز آ جانے کے باوجود کسی کو ہرٹ نہ کرنے کے لئے اس کو لبوں سے نہ نکالنا' خاموش رہنا.... اور ایسے ان گنت کام آپ کے دل کو بہادر بنائیں گے.... یاد رکھیں.... ہر نیکی دوسری نیکی کا راستہ کھولتی ہے....)

بک شاپ کے اس اونچے ریک پہ کتابیں ترتیب سے سجی تھیں اور حنین ان کے سامنے کھڑے مسکرا کے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ساتھ کھڑے اسامہ نے تفاخر سے کہا تھا۔

''تمہاری بک یہاں دیکھ کر میں یہ فخر سے کہہ سکتا ہوں حنہ کہ تم صرف اپنی ہیرو نہیں ہو' بلکہ تم میری ہیرو بھی ہو....''

اور اس نے ہنس کر سیم کے سر پہ چپت لگائی تھی....

(''اور جو برائی لائے گا سو ان کے منہ آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے تمہیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم کرتے تھے۔'' یعنی اللہ انسان پہ ظلم نہیں کرے گا۔ اس دنیا میں تو ہمیں ہمارے اعمال سے کم یا زیادہ مل جاتا ہے مگر اس بڑے دن ہمیں اس کا بدلہ ملے گا جو ہم کرتے تھے۔ ہم پہ کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ وہ وعدہ کرتا ہے تو اسے سچ کر کے دکھاتا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ دعا مانگو' میں قبول کروں گا' تو ہم اس وعدے کو سچ کرنے کے لئے دعا میں شدت کیوں اختیار نہیں کرتے؟ ہاں ہمارے اردگرد کا معاشرہ بدل رہا ہے' لوگ بدل رہے ہیں' زمانہ بدل رہا ہے' مگر اللہ نہیں بدلے گا۔ اللہ کا وعدہ نہیں بدلے گا۔ اللہ اپنے سارے وعدے پورے کرے گا۔ کیا ہم کریں گے؟)

کال کوٹھڑیوں کے دروازے کھلے تھے اور تمام قیدی باہر نکل رہے تھے۔ وہاں ایک تاریک سا بڑا کمرہ تھا جس میں وہ دن بھر جمع رہتے تھے۔ ایسے میں ایک گارڈ ہاشم کے قریب آیا اور موپ اسے تھمایا۔ ''کیا تمہیں روز بھول جاتا ہے؟ اس جگہ کی صفائی تم نے کرنی ہے۔''

ہاشم نے درشتی سے اس سے موپ پکڑا اور پھر اس کے قریب آیا۔ ''تمہیں جتنے پیسے چاہئیں میں دوں گا' بس مجھے اتنا پتہ کروادو کہ میری بیٹی کہاں ہے؟ میری بیوی' ماں یا بھائی' کسی کو ملی وہ یا نہیں؟ صرف اتنا بتادو مجھے....''

''خاموشی سے یہ فرش صاف کرو۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ ہاشم نے ایک نظر میلے فرش کو دیکھا....پھر اپنے آپ کو... بدرنگ جمپنگ سوٹ (قیدیوں کا لباس) پہنے....میلے کچیلے حلیے میں....وہ اب اس غلیظ فرش کو...صاف کرے گا؟؟....اس نے سارے خیال ذہن سے سر جھٹک دیے اور ضبط کرتے ہوئے موپ کو فرش پہ رگڑنے لگا....آنکھوں میں بار بار درد سا بھرتا تھا....مگر نہیں....وہ آخری دم تک ان لوگوں سے لڑے گا....کبھی تو وہ آزاد ہوگا....کبھی تو....اس کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں مگر اس نے سختی سے خود کو جھڑکا۔ ''مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ میں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ سب نے میرے ساتھ زیادتی کی۔ سب سے زیادہ ظلم میرے ساتھ ہوا۔ وہ سب ایک ساتھ تھے۔ ایک میں اکیلا رہ گیا تھا...میں اکیلا لڑتا رہا...میں کب تک لڑ سکتا تھا۔'' بھیانک اندھیرے آس پاس اس کی گھات میں کھڑے تھے...اس کو نگلنے کے لیے تیار...

(''مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے مالک کی بندگی کروں جس نے اسے عزت دی ہے اور ہر ایک چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ اور یہ بھی کہ قرآن سنادوں پھر جو کوئی راہ پر آ گیا تو وہ اپنے بھلے کو راہ پر آتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اور کہہ دو سب تعریف اللہ کے لیے ہے تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھادے گا پھر انہیں پہچان لو گے اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔'')

ریسٹورانٹ کی اس میز پہ خوبصورت گلاب کے پھول رکھے تھے' دو موم بتیاں روشن تھیں...زمر اور فارس آمنے سامنے بیٹھے تھے...اشتہا انگیز خوشبو لئے کھانا ان کے سامنے سجا تھا....اور وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''تو بالآخر آج ایک پرامن اور پرسکون ڈنر کا قرض تم نے اتار ہی دیا!''

''بالکل۔ تو پھر کیا خیال ہے؟ اب میں تمہیں اپنے آفس کی خوبصورت لڑکیوں کے بارے میں بتا سکتا ہوں؟'' اور وہ دونوں ایک ساتھ ہنس دیے تھے۔

''اور ان آیات کو سنانے کے بعد...میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں۔'' وہ ڈائس پہ ہاتھ رکھے کھڑا مجمعے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''کہ میں نے یہ جان لیا ہے کہ میرا کام تھا صرف پہنچا دینا۔ ہمارا کام پیغام پہنچا دینا ہوتا ہے۔ اسلام کو زبردستی لوگوں کے اوپر نافذ کرنا نہیں ہوتا۔ آپ دین کو جبر اور سختی سے کسی کے عمل میں شامل نہیں کر سکتے۔ آپ جبر سے زبردستی انصاف بھی نہیں کروا سکتے۔ ہم نے صرف سچ کے لئے آواز بلند کرنی ہے' اسکے لئے لڑنا ہے' کوشش کرنی ہے۔ ہمارے ہاتھ میں صرف کوشش ہے۔ کامیابی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر دفعہ کامیاب بھی ہوں' ہم ہر دفعہ جیتیں بھی سہی۔ ہم نے صرف اپنا ہنڈرڈ پرسینٹ دینا ہے۔ کیونکہ ہمارا یہی کام ہے۔ خود عمل کرنا اور صرف دوسروں کو پہنچا دینا۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے' میں تو ہوں صرف پہنچا دینے والوں میں سے!'' وہ بات ختم کر کے خاموش ہوا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا...لوگ اپنی جگہوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے لئے ہاتھ بلند کیے تالیاں بجا رہے تھے اور وہ مسکرا کے ان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ فیصلے کی گھڑی آنے سے پہلے ہی جیت گیا تھا' اس کو بس علم دیر سے ہوا تھا۔

.....❖❖❖.....

سولہ سال بعد:

وہ اوپر سے دیکھنے سے کسی امریکی ریاست کا کوئی مصروف شہر لگتا تھا۔ خوبصورت اونچی عمارتیں' صاف ستھری سڑکیں... مصروف سے تیز تیز چلتے لوگ... ایسے میں وہ مخالف سمت سے چلتی ہوئی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ تیز ہوا کے باعث سیاہ بال اڑ اڑ کے چہرے پہ آ رہے تھے اور وہ بار بار ان کو کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ خوبصورت چہرہ' سیاہ شفاف آنکھیں اور ایک بے نیاز مسکراہٹ... وہ مگن سی چلتی آ رہی تھی... جب قریب سے گزرتے ایک آدمی سے ٹکرا گئی۔

''سوری... سوری۔'' مسکرا کے معذرت کی تو وہ آدمی ''نو پرابلم'' کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اب کہ وہ واپس مڑی اور قدم بڑھاتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا مردانہ والٹ کھولا۔ اس آدمی کا آئی ڈی کارڈ... چند ویزا کارڈ... کڑکڑاتے ہوئے ڈالرز کے نوٹ.... ہوں گڈ... اس نے اسی سرد مسکراہٹ کے ساتھ کارڈز جیب میں رکھے' والٹ قریبی بن میں اچھالا' اور نوٹ مٹھی میں دبائے آگے بڑھ گئی۔

ایک بیکری کے قریب وہ رکی اور اندر چلی گئی۔ جب واپس آئی تو ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا۔ کیک کا ڈبہ۔ اب تک اس کی مسکراہٹ سوگوار پڑ چکی تھی۔

وہ ڈبہ لئے سڑک کنارے چلتی گئی... چلتی گئی.... یہاں تک کہ زیرِ زمین ٹرین اسٹیشن کو جاتی سیڑھیاں نظر آنے لگیں۔ وہ نیچے اترتی آئی....

وہاں کونے میں ایک بوڑھا سیاہ فارم آدمی بیٹھا تھا۔ شکل سے وہ ڈاؤن سنڈروم کا شکار لگتا تھا۔ دنیا مافیہا سے بے خبر.... وہ اس کے پاس آ بیٹھی... وہیں زمین پہ.... اور ڈبہ کھول کے درمیان میں رکھا۔ اندر ایک چھوٹا سا کیک تھا۔ اس پہ ننھی سی موم بتی رکھی تھی۔ اس نے لائٹر نکال کر جلایا' موم بتی روشن کی' اور سیاہ فام کو دیکھا۔ وہ غائب دماغی سے اسے گھور رہا تھا۔

لڑکی نے اپنے ٹخنے سے جینز اوپر کی' وہاں بندھا چاقو نکالا' اور کیک کے قریب لائی۔ پھر پھونک ماری۔ شعلہ بجھ گیا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو می.... ہیپی برتھ ڈے ٹو سونیا...'' وہ اب کیک کو دیکھتے ہوئے مدھم... اداس سا گنگنا رہی تھی۔ ساتھ میں چاقو سے اسے کاٹ بھی رہی تھی۔

''جب میں چھوٹی تھی تو میرے بابا میری سالگرہ ایسے مناتے تھے کہ ساری دنیا دیکھا کرتی تھی... شہر کی سب سے زیادہ شاندار سالگرہیں شاید میری ہوتی تھیں۔ اور اب....'' اس نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ''اور اب میں ان کے ساتھ سالگرہ نہیں منا سکتی۔ میں نے کتنے سال ان کے ساتھ سالگرہ نہیں منائی۔ اوہ تم کیا جانو... میرا باپ کتنا عظیم انسان تھا...'' پھر آنکھیں اٹھا کر بوڑھے بھکاری کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''اتنا عرصہ کھوئے رہنے.... بک جانے... ظلم سہنے کے بعد بھی.... میری دادی نے مجھے ڈھونڈ ہی لیا.... مگر میری قسمت میرے بابا سے الگ ہے البرتو.... میری دادی نے مجھے اپنے بیٹوں کی طرح بڑا نہیں کیا... انہوں نے مجھے ایک ہتھیار کی طرح تراشا ہے....'' اس کی آواز سرد ہوتی گئی۔ ''میں نے اتنے دھکے کھائے ہیں کہ اب میں ہر قسم کے لوگوں سے لڑنا' اور ان کو ہر طرح سے مارنا سیکھ چکی ہوں۔ اور میں یہ تمہیں اس لئے بتا رہی ہوں کیونکہ آج صبح معلوم ہوا ہے کہ میرے بابا زندہ ہیں.... اور اب البرتو مجھے اپنے ملک واپس جانا ہے۔ اپنے بابا کو ڈھونڈنے' ان کو واپس لانے' اور اپنے خاندان کو جوڑنے کے لئے....'' کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا جذبہ جاگا.... چمک.... پرتپش برف جیسی چمک.... سلگتی ہوئی لکڑی کی سی حدت.... ''اور آج شاید میں آخری دفعہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھا رہی ہوں۔ اب شاید میں واپس نہ آؤں۔ میرا سفر بہت طویل ہے' اور مجھے صرف اپنے خاندان کو اکٹھا نہیں کرنا' بلکہ مجھے....'' آنکھیں سلگنے لگیں۔ ٹرین قریب آ رہی تھی... اور اس کی آواز میں سونیا کی آواز دب سی گئی... مدھم سرگوشی میں بدل گئی...

''مجھے اس ایک شخص اور اس کے خاندان سے بھی اپنا انتقام لینا ہے۔ میں اس کا نام کبھی نہیں بھولی.... میں اس کی آنکھیں نہیں بھولی.... وہ آخری دفعہ مجھے ہسپتال کے کاریڈور میں نظر آیا تھا.... فارس غازی.... میں نے اس دن کا برسوں انتظار کیا ہے البرتو.... جب میں پوری طرح تیار ہوں گی... اور میں اس کے خاندان کے ایک ایک فرد کو ہر اس ظلم کی سزا دوں گی جو انہوں نے میرے خاندان پہ ڈھایا تھا.... میں ایک ایک زخم کا بدلہ لوں گی... اس آدمی نے میری ساری دنیا تاریک کر دی... وہی وجہ ہے ہر چیز کی... چودہ سال... چودہ سال اس نے اور اس کے خاندان نے سکون سے گزار دیے.... مگر اب اور نہیں....'' اس نے کیک کا ڈبہ البرتو کی طرف بڑھایا اور خود بیگ کندھے پہ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھیں پرتپش تھیں اور چہرہ برف کی طرح سفید.....

''اب وہ اپنے ایک ایک جرم کا حساب دے گا۔ میرے محبت کرنے والے عظیم باپ کے ساتھ اس نے جو کیا.... وہ اس کا حساب دے گا.... میں اپنے باپ کو ڈھونڈ نہ بھی سکی تو فارس غازی سے ضرور ملوں گی' اور وہ اس ملاقات کو یاد رکھے گا۔ ویسے مجھے ابھی بھی امید ہے کہ وہ مجھے کبھی بھولا نہیں ہوگا۔ اسے بھی میری آنکھیں یاد ہوں گی۔'' اور وہ سامنے سے ہٹ گئی۔ کیک کا ڈبہ یونہی پڑا رہا گیا۔ البرتو نے گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا۔

وہ کہیں نہیں تھی۔ ایسے جیسے بھیڑ میں غائب ہوگئی ہو۔

کسی جن کی طرح۔

کسی پری کی طرح۔

اور اگر کبھی تمہیں کوئی کہے

کہ انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا

تو یقین کر لینا

کیونکہ

ہر انتقام کے آخر میں

نئے سرے سے بدلہ لینے کے لئے

اور اس چکر کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے

ایک سروائیور

ضرور باقی بچ جاتا ہے.....

.....❖❖❖(ختم شد)❖❖❖.....

نمل کے بارے میں

چند اہم سوالات کے جوابات

1- نمل کے تمام کردار دوہری شخصیت کے حامل نظر آئے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ کے تمام ناولز کے برعکس اس ناول کے کردار قاری کو پل پل میں رنگ بدلتے نظر آئے؟

ج۔ یہ دانستہ ایسے ہی لکھا گیا تھا۔ مجھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ڈارک کریکٹر لکھنا زیادہ پسند آرہا ہے۔ ایک سیدھے سادھے سفید کردار میں سیکھنے کا کوئی مارجن ہی نہیں ہوتا اور ایک بالکل سیاہ کردار کو اتنا قابل نفرت بنا دیا جاتا ہے کہ لوگ اس سے ریلیٹ ہی نہیں کرنا پسند کرتے۔ جب آپ کا مقصد تبلیغ ہو' کچھ سکھانا ہو تو آپ کو کرداروں میں عام انسانوں کی مختلف خامیاں ڈالنی پڑتی ہیں۔ مجھے ان گنت ای میلز اور خطوط موصول ہوتے ہیں جن مین قارئین اور عموماً نوجوان بچیاں اپنے اپنے مسائل کا ذکر کرتی ہیں۔ ان کا حل ان کو نہیں مل رہا ہوتا۔ تو میں ایسا کچھ لکھنا چاہتی تھی جو آج کے انسانوں جیسا ہے۔ ہر اچھے کردار کو بھی وہی بری لتیں پڑی ہوں جو آپ کے اردگرد کے لوگوں میں ہیں۔ یا جو عموماً اب پائی جاتی ہیں۔ جب قاری اچھے کرداروں کی اچھائی دیکھتے ہوئے ان کو ان بری عادتوں سے' ڈپریشن سے' ماضی کے گناہوں سے لڑتے ہوئے دیکھتا ہے صرف تبھی وہ سیکھتا ہے۔ ورنہ برے کرداروں کے بارے میں تو ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ میں تو اس جیسا نہیں ہوں۔ وہاں سے کتھارسس اور سیکھنے کا مارجن پھر بالکل گھٹ جاتا ہے۔

2- آپ کے نزدیک نمل کا سب سے پیچیدہ کردار کونسا اور کیوں ہے؟

ج۔ ویسے تو تمام مرکزی کردار پیچیدہ تھے لیکن سب سے زیادہ ہاشم کا کردار کو لکھنا چیلنج تھا۔ ہاشم میرا ان دس سالوں میں لکھا گیا پسندیدہ کردار ہے۔ وہ بیک وقت اچھا بھی تھا اور برا بھی تھا یہاں تک کہ اس کی برائی اس پہ غالب آجاتی ہے۔ ایسے کردار سے آپ اچھے کام بھی کرواتے ہیں اور برے بھی۔ اس میں لکھنے کا مارجن بہت زیادہ تھا۔ میں اس کو کہیں بھی موڑ سکتی تھی۔ اچھے کرداروں میں تو چند برائیاں ڈال کے ہم ان سے پھر بھی اچھے فیصلے کروا لیتے ہیں لیکن ہاشم میں ہر طرف جانے کی لچک تھی۔ اور قارئین کو اس سے ہمدردی بھی تھی۔ اس کا کردار آپ کے لیے ایک سوالیہ نشان بھی تھا۔ اس کو جج کرنا اور اس کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنا... یہ سب میں نے آپ پہ چھوڑ دیا ہے۔

3- اگر غیر جانبداری سے پوچھا جائے تو آپ کے نزدیک بہترین وکیل زمر یوسف تھی یا ہاشم کا ردار؟ (بطور ایک قاری کے!)

ج۔ مجھے لگتا ہے وہ دونوں آخر میں آکر برابر ہو گئے تھے اور زمر بالکل آخر میں ہاشم سے ایک دو قدم آگے نکل گئی تھی کیونکہ اس کا زور

دلائل پہ تھا اور ہاشم کا گواہ خریدنے پہ۔ تو چلیں... میں کہے دیتی ہوں... زمر آخر میں قدرے بہتر تھی...

4- ہاشم بمقابلہ زمر... ہاشم بمقابلہ فارس... ہاشم بمقابلہ سعدی۔ آپ ان میں سے کن دو کو مقابلے کا اہل سمجھتی ہیں؟

ج۔ کسی کو بھی نہیں۔ ہاشم ان سب سے زیادہ اسمارٹ اور زیادہ شاطر تھا۔ لیکن وہ ایک طرف اکیلا کھڑا تھا اور یہ سارا خاندان اس کے خلاف اکٹھا ہو گیا تھا۔ اسے شکست تب ہوئی جب ان تینوں نے اکٹھے اس کا مقابلہ کیا۔ ہاشم بمقابلہ زمر فارس سعدی۔

5- نمل میں بہترین منصوبہ کار کون سا کردار تھا جس کی مخفی اور ظاہری منصوبہ بندی آپ کے خیال میں لاجواب رہی؟

ج۔ میرے نزدیک وہ فارس تھا۔ کیونکہ وہ قاری سے ایک قدم آگے ہوتا تھا اور اس کے منصوبے سرپرائز کا عنصر لیے ہوتے تھے۔ ہاشم کے منصوبے کھلنے سے قاری خوش نہیں ہوتا تھا۔ پریشان ہوتا تھا۔ فارس کے منصوبے زیادہ موثر رہے تھے۔

6- سعدی اور زمر کا تدبر اور حنین کا دوائے شافی کا سفر... کیا کہانی کی ضرورت بھی تھا؟

ج۔ ان کے بغیر کہانی میں وہ تینوں کردار بڑے بڑے فیصلے نہیں لے سکتے تھے۔ بجائے کسی ثانوی کردار سے مشورہ کرنے کے وہ اپنی کتابوں کے سفر پہ نکل جاتے تھے اور اپنا کتھارسس کر لیتے تھے۔ ہر باب کا تدبر قرآن یا حنین کا سفر اس باب کے کئی واقعات سے جڑا ہوتا تھا۔

7- نمل کو لکھنے کی انسپائریشن کہاں سے ملی؟

ج۔ شاہ زیب خان اور کامران فیصل کا قتل... ایک نکتے پہ آ کر مجھے کسی نے مشورہ بھی دیا کہ سعدی یوسف کو مار دیا جائے مگر اس کو مارنا ایسے تھا جیسے شاہ زیب خان کو دوبارہ قتل کر دینا۔ اس کے علاوہ ادب سے انسپائریشن ڈھونڈوں تو کاؤنٹ آف مونٹے کرسٹو کا انتقام مجھے ہمیشہ سے پسند رہا ہے لیکن میں اس کی طرح کہانی کو آگے لے کر نہیں چلنا چاہتی تھی۔ میں انجام ذرا مختلف کرنا چاہتی تھی۔

8- آبدار کی موت قتل تھی یا خودکشی؟

ج۔ قتل بھی تھی اور خودکشی بھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہاشم اسے مار دے لیکن ہاشم نے اسے اپنی وجہ سے مارا اس کی وجہ سے نہیں۔

9- کیا نمل کے اختتام کے بعد قاری اس کے اگلے حصے کی امید رکھیں جس میں سونیا کردار کو انتقام لیتے ہوئے دکھایا جائے؟

ج۔ نہیں۔ نمل الحمدللہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اگلے ناول کی تیاری کر رہی ہوں۔ مجھے اس کا پارٹ ٹو نہیں لکھنا۔ اس طرح کے موڑ پہ میں کہانی اس لیے ختم کرتی ہوں تاکہ قاری یہ جان لے کہ کہانی کا اختتام زندگی کا اختتام نہیں ہے۔ انسان بہت بڑا سروائیور ہے۔ وہ جب تک زندہ ہے، جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ کم از کم کتاب بند کرتے وقت کچھ دیر تو آپ سوچیں کہ سونیا کو اب کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ آپ کی سوچ آپ کو کس طرف لے جاتی ہے، یہ آپ کا بھی امتحان ہے کہ آپ نے نمل سے کیا سیکھا۔ اور پھر میں یہ نہیں دکھا سکتی کہ آپ انتقام کے سفر پہ نکلیں اور آپ سے کوئی اور انتقام نہ لے۔ یہ چکر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

.....❖❖❖(ختم شد)❖❖❖.....